© rasailojaraid.com

تحریر ــــ قسط ــــ ترجمہ

۲

محدثِ عصر علامہ محمد ناصر الدین البانی — عبد الواحد عبد القدوس بستوی

مقالات

الٰہی اسماء وصفات میں تاویل وتحریف کے

اسباب وعلل ـــ اثرات ونتائج

حقائق کی روشنی میں!

سلف کا عقیدہ ان کے اقوال کی روشنی میں!

ہم یہاں اسماء وصفات کے متعلق اسلاف سے منقول بعض نصوص پیش کر رہے ہیں:

۱۔ ولید بن مسلم کا بیان ہے کہ میں نے اوزاعی، مالک بن انس، سفیان ثوری اور لیث بن سعد سے صفات میں وارد احادیث کے بارے میں سوال کیا تو سب نے ایک ہی بات کہی، یہ تمام احادیث اپنے حقیقی معانی پر کیفیات سے تعرض کیے بغیر محمول کی جائیں گی۔

۲۔ ربیعہ اور مالک کا قول ہے: "استواء غیر مجہول ہے اور اس کی کیفیت سمجھنے سے انسانی عقل قاصر ہے مگر استواء پر ایمان لانا واجب ہے۔"

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے "الفتوی الحمویۃ" کے ص ۱۰۹ میں لکھا ہے:

"ربیعہ اور مالک کے قول (استواء غیر مجہول ہے، اور اس کی کیفیت ...... الخ) کا مطلب وہی ہے جو باقی دیگر علماء سلف کے قول (اَمِرُّوْھَا کَمَا جَاءَتْ بِلَا کَیْفٍ) کہ صفات جس طرح وارد ہوئی ہیں، کیفیت سے تعرض کیے بغیر اسی پر محمول رکھو" کا ہوتا ہے اس لیے کہ ان لوگوں نے کیفیت جاننے کی نفی کی ہے، نہ کہ صفتِ الٰہی جاننے کی۔ اور اگر سلف اللہ کے شایانِ شان معنی سمجھے بغیر محض لفظ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پر ایمان کے قائل ہو [illegible] بلکہ حروفِ معجم کی طرح مجہول ہوتا۔

اور اگر لفظ کا کوئی مفہوم پیشِ نظر نہ ہوتا تو پھر کیفیت کے علم کی نفی کرنے کی کوئی ضرورت نہ پڑتی؛ کیفیت کی نفی کی ضرورت ہی اس وقت پیش آئی جب کہ صفات کو ثابت مانا گیا۔

کیونکہ جو شخص صفات کا جزئی طور پر یا علی الاطلاق انکار کرتا ہو، اسے علمِ کیفیت کی نفی کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔

اسی طرح سلف کے قول (نصوصِ صفات کو جیسے وارد ہیں ویسے ہی باقی رکھو، کیفیت سے تعرض نہ کرو) کا بھی تقاضا ہے کہ ان نصوصِ صفات کو ان کے اصل مدلول ہی پر باقی رکھا جائے، اس لیے کہ اسماء و صفات ایسے الفاظ کی شکل میں وارد ہیں، جو معانی پر دلالت کرتے ہیں، لہٰذا اگر اسلاف ان الفاظ کے مدلول کا انکار کرتے تو یوں کہتے:

"نصوصِ صفات کے الفاظ کو جیسے وارد ہیں باقی رکھو، اس اعتقاد کے ساتھ کہ ان کا کوئی مفہوم مراد نہیں ہے، یا بالفاظِ دیگر یوں کہتے (کہ نصوصِ صفات کے الفاظ کو جیسے وارد ہوں ویسے باقی رکھو، مگر یہ اعتقاد رکھو کہ ان نصوص کے حقیقی مدلول سے اللہ متصف نہیں) اور اسلاف کیفیت سے تعرض نہ کرنے کی بات نہ کہتے۔ کیونکہ جو چیز خود ہی ثابت نہ ہو اس کی کیفیت کی نفی و تردید لغو بات ہو گی"۔

امام خطابی کا قول ہے:

"صفات کے باب میں کیفیت اور تشبیہ کی نفی کے ساتھ، صفات کا اثبات اور ظاہر پر ان نصوص کو محمول کرنا سلف کا شیوہ ہے"!

حافظ ابن عبد البرؒ کا قول ہے:

"قرآن و حدیث میں وارد صفاتِ الٰہی کے اقرار اور انہیں ان کی حقیقت نہ کہ مجاز پر محمول ماننے پر اہلِ سنت والجماعۃ کا اجماع ہے۔ ہاں لیکن ان لوگوں نے ان میں سے کسی صفت کی کیفیات کی حد بندی نہیں کی ہے۔ رہے جہمیہ، معتزلہ اور خوارج، تو یہ سب صفاتِ الٰہی کے منکر ہیں، اور کسی بھی صفت کو حقیقت پر محمول نہیں کرتے اور فرماتے ہیں کہ جو ان صفات کو ثابت مانے گا وہ اللہ کو مخلوق کے مشابہ تبلانے والا شمار کیا جائے گا، لیکن صفات کے قائلین (اہل سنت والجماعۃ) کی نظر میں یہ حضرات (جہمیہ معتزلہ و خوارج) سرے سے معبود ہی کے منکر ہوں گے"۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مندرجہ بالا تمام اقوال اس بات کی متفقہ گواہی دے رہے ہیں کہ سلف آیاتِ صفات سمجھتے اور ان کی تفسیر کرتے ہیں اور خدا کی ذات کے شایانِ شان ان کے معنی متعین کرتے ہیں۔

تو کیا کوثری وغیرہ کی نظر ان اقوال پر نہیں پڑتی اور یوں ہی برابر یہ رٹ لگاتے پھر رہے ہیں کہ جناب سلف تو نصوصِ صفات سمجھتے ہی نہیں بلکہ تدبر اور معنی بیان کیے بغیر صرف زبان سے ان صفات کے الفاظ کا اقرار کر لیتے ہیں۔

کوثری وغیرہ کے سلسلے میں زیادہ سے زیادہ یہ کہا جاسکتا تھا کہ یہ لوگ امام جوینیؒ کی مانند ہوں گے جو کبھی دور میں اپنے مشائخ سے متاثر تھے مگر چونکہ امام جوینی اللہ کی ذات وصفات جاننے کے سلسلے میں پورے طور پر نیک نیت اور مخلص تھے اس لیے اللہ نے ان کی عقیدۂ سلف کی طرف ہدایت فرمادی جیسا کہ ارشاد ہے:

"وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا"

"جو ہماری خاطر جدوجہد کرتے ہیں ہم انھیں ضرور اپنا راستہ دکھائیں گے۔"

لیکن کیا محدثین اور سلف کی مسلسل طعن وتشنیع کرنے والے جناب کوثری وغیرہ بھی نیک نیت اور مخلص ہیں؟

ائمہ سلف اور علمبردارانِ توحید سے کوثری صاحب کی تمام تعلیقات میں شدید دشمنی اور برابر اسلاف پر، خاص طور پر شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ پر، ان لوگوں کی جانب سے تشبیہ وتجسیم کا اتہام دیکھتے ہوئے مندرجہ بالا سوال کا اثبات میں جواب دینا بڑا دشوار ہے۔ باوجودیکہ ابن تیمیہؒ نے اپنی تمام کتابوں، رسالوں میں مجسمہ وغیرہ پر زوردار نقد کیا ہے یہاں تک کہ جہاں کہیں معطلہ کی تردید کرتے ہیں تو مجسمہ پر بے لاگ تنقید کرتے ہوئے نظر آتے ہیں جو کہ تالیفاتِ ابن تیمیہؒ کا مطالعہ کرنے والے سے مخفی نہیں ہے۔ مجسمہ پر ابن تیمیہؒ کے تنقیدی مباحث کا ایک نمونہ (الفتوی الحمویہ ص ۱۶) سے ہم یہاں پیش کر رہے ہیں ——

شیخ الاسلامؒ رقمطراز ہیں:

"اگر کوئی کہے کہ علم اور ہاتھ سے وہی علم وہاتھ سمجھ میں آتا ہے جو ہمارے ذہن میں ہے تو اس کے جواب میں کہا جائے گا کہ تو پھر تمہاری عقل میں ایسی ذات کیسے آجاتی ہے جو مخلوق کی ذات سے یکسر مختلف اور مغائر ہے جب کہ ذہنِ انسانی میں صرف مخلوق کی ہی ذات کا تصور رہتا ہے؟ —— اور یہ واضح ہے کہ ہر موصوف کی صفات، اس موصوف کی ذات اور حقیقت کے مطابق ومناسب ہوں گی، تو جو

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

شخص اللہ رب العالمین — جس کے مانند کوئی نہیں، کی صفات سے مخلوق ہی کے شایانِ شان صفات سمجھتا ہے، ایسا شخص اپنے دین اور مذہب اور عقل کے معاملہ میں گمراہ ہے۔"

یہ تو شیخ الاسلامؒ کے ان علمی مباحث کا ایک نہایت معمولی حصہ ہے، جو قطعی طور پر دلالت کرتے ہیں کہ آپ اللہ کی تنزیہ کرتے ہیں نہ کہ تشبیہ و تجسیم، جیسا کہ کوثری وغیرہ اتہام لگاتے ہیں۔

عقائد ابن تیمیہؒ کے سلسلے میں ابوزہرہ صاحب کے خیالات کا ایک جائزہ :

محمد زاہد کوثری کے دوست جناب ابو زہرہ صاحب نے اپنی کتاب "ابن تیمیہ" میں صفاتِ الٰہی سے متعلق ابن تیمیہؒ کے قیمتی مباحث سے بہت سارا اقتباس نقل کیا ہے، بعد ازاں موصوف نے ابن تیمیہؒ کے عقائد کی بڑی عمدہ تلخیص کی ہے جس میں کسی طرح کی حملہ آوری یا ہجوم نہیں ہے، بلکہ کوثری صاحب نے جن چیزوں سے شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ کو متہم کیا ہے، ان سب سے بری قرار دیتے ہوئے شیخ ابو زہرہ نے صفحہ ۲۶۴ میں فرمایا ہے :

"ان اقتباسات میں کوئی ایسی چیز نہیں ہے جو خدا کی تنزیہ یا توحید کے منافی ہو یا جس سے اللہ اور مخلوق کے درمیان کسی طرح کی تشبیہ ثابت ہو رہی ہو۔"

پھر آگے چل کر صفحہ ۲۶۶ میں لکھا ہے :

"بلاشبہ یہی نتیجہ برآمد ہوتا ہے کہ ابن تیمیہؒ اللہ تعالیٰ کے لیے استواء اور ید وغیرہ صفات ثابت مانتے ہیں، لیکن ساتھ ہی یہ بھی کہتے ہیں کہ یہ ساری صفات اللہ کے شایانِ شان ہیں، ان کی حقیقت و کیفیت ہمیں نہیں معلوم مگر ان پر ایمان لانا ہمارے لیے واجب ہے۔"

مگر اس کے بعد ابوزہرہ ابن جوزی کی کتاب "رَدّ شبہ التشبیہ" سے ایک عبارت نقل کرتے ہیں جس میں ابن جوزی نے تاویل کی حمایت کی ہے اور جو لوگ اربابِ تاویل پر تشبیہ کا الزام لگاتے ہیں اس کی تردید کی ہے، اسے نقل کرنے کے بعد شیخ ابوزہرہ صفحہ ۲۷۲ میں فرماتے ہیں :

"اور یہ ہے ان لوگوں کی بحث کا خلاصہ اور نتیجہ، اب کتنی بھی نفی تشبیہ کی کوشش کریں تو بیکار ہے، بہرحال تشبیہ سے ان لوگوں کا دامن داغدار ہی رہے گا، ایک صدی سے زیادہ کا عرصہ بیت جانے کے بعد ابن تیمیہ اگر آ کر کہیں کہ اس سے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

صرف اسم میں اشتراک مقصود ہے نہ کہ حقیقت میں، تو اگر یہ لوگ استواء کی ظاہر لفظ کے مطابق تفسیر کرتے ہیں تو اس کے معنی اقتعاد و جلوس (بیٹھنا) ہو گا، ایسی صورت میں لامحالہ تجسیم لازم آئے گی اور اگر غیر محسوس سے اس کی تفسیر کریں تو پھر یہ تاویل ہو جائے گی جس سے یہ لوگ خود رد کرتے ہیں۔"

مگر ہم عرض کرتے ہیں کہ ٹھہریئے جناب! آپ سے مخفی نہیں کہ ابن تیمیہؒ استواء کی تفسیر آپ کے بیان کردہ (اقتعاد و جلوس یا غیر محسوس) سے نہیں کرتے ہیں، بلکہ علو اور بلندی میں ہونے سے کرتے ہیں، ابن تیمیہؒ کی کتابیں اس سے بھری پڑی ہیں، تو پھر آپ قارئین کو خلافِ حقیقت کا وہم دلانے کی کیوں کوشش کر رہے ہیں؟ کیا آپ عقائد ابنِ تیمیہؒ کی تشریح کرتے وقت ان کے اقوال کے نقل میں اپنے طریق کار پر نہ چلے ہیں یا صحیح نقل کے التزام سے تنگ آکر دست کشی کر لی؟

اس لیے آپ نے غلط باتوں کا انتساب شروع کر دیا، کہیں اشارہ و کنایہ کے انداز میں جیسا کہ مندرجہ بالا اقتباس میں، مثلاً آپ نے اپنی دوسری تصنیف میں "المذاہب الاسلامیہ" کے ص ۲۳۰ میں "سلفیت اور ابنِ تیمیہؒ" کے زیرِ عنوان فرمایا ہے:

"اور اس طرح ابن تیمیہ، قرآن و حدیث میں اوصافِ خداوندی کے سلسلے میں جو کچھ وارد ہے، اسے ثابت مانتے ہیں، اور عرش پر اللہ کے مستقر ہونے کو ثابت مانتے ہیں۔"

آخر آپ نے امام ابنِ تیمیہؒ کو کہاں دیکھا کہ انہوں نے عرش پر اللہ کے مستقر ہونے کی بات کہی ہے، جب کہ یہ معلوم ہے کہ استقرار علو کے مفہوم پر ایک زائد چیز کا اضافہ ہے جو کہ شریعت میں وارد نہیں، اسی لیے ہم حافظ ذہبیؒ کو دیکھتے ہیں کہ صفتِ علو کے ان قائلین کی تردید کرتے ہیں، جو لوگ اسے استقرار سے تعبیر کرتے ہیں۔ ملاحظہ ہو العلو للعلی العظیم۔ ترجمہ نمبر ۱۵۶ فقرہ نمبر ۳۲۲

ابو زہرہ صاحب اپنی اس کتاب کے صفحہ ۳۲۲ میں رقمطراز ہیں:

"ابنِ تیمیہ، قرآن میں جو کچھ وارد ہے مثلاً اللہ کا فوق میں ہونا، تحت میں ہونا، عرش پر مستوی ہونا، سب کو ثابت ماننا سلف کا مذہب بتلاتے ہیں۔"

اسی طرح صفحہ ۳۲۱ میں لکھا ہے:

"ابنِ تیمیہؒ اس معنیٰ کا بار بار ذکر کرتے ہیں، پھر بتاکید کہتے ہیں کہ اللہ عرش سے اترتا ہے اور فوق نیز تحت میں ہوتا ہے، مگر ان سب کی کیفیت ہمیں نہیں معلوم۔"

ہم اور کتنی صراحت کے انداز میں،

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

شیخ ابوزہرہ سے ہمارا سوال ہے کہ شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ نے اللہ کے تحت میں ہونے کی بات کہاں کہی ہے، غالب گمان یہ ہے کہ موصوف نے احادیثِ نزول سے تحت ہونے کا مفہوم سمجھ کر اسے ابنِ تیمیہ کی جانب منسوب کر دیا ہے، حالانکہ ان چیزوں کی یہ نسبت ابنِ تیمیہ کی طرف غلط ہے جو کسی بھی مؤلفاتِ ابنِ تیمیہ کا بنظرِ غائر مطالعہ کرنے والے سے ہرگز مخفی نہیں، ہاں ایسے لوگوں سے مخفی ہو سکتی ہے جو ابنِ تیمیہ کی سوانح حیات میں نقل کرنے کی خاطر یوں ہی سرسری مطالعہ کیے ہوں۔

ابنِ تیمیہؒ کی جانب اس طرح کے غلط انتسابات دیکھ کر محسوس ہوا کہ ابوزہرہ صاحب ابنِ تیمیہؒ کو اچھی طرح سمجھ سکے اور نہ ان کے عقائد و افکار کو، بلکہ شاید ابوزہرہ نے جن مسائل پر قلم اٹھایا ہے، انہی کے بارے میں ابنِ تیمیہؒ کی تمام مطبوعہ بحوث و رسائل مثلاً "المکتب الاسلامی"، بیروت سے شائع شدہ "شرح حدیث النزول لابن تیمیہ" کو بھی دقت سے نہیں پڑھا ہے۔ چہ جائیکہ ان کتابوں کو پڑھتے جو ہنوز زیورِ طبع سے آراستہ نہ ہو سکی ہیں بلکہ مخطوطات کی شکل میں پائی جاتی ہیں۔ شیخ الاسلام نے "شرح حدیث النزول" میں یہ ثابت کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے عرش سے اترنے سے یہ نہیں لازم آتا کہ اس وقت عرش اللہ کے اوپر اور اللہ عرش کے نیچے ہو جاتا ہے اس لیے کہ نزول اور اترنے کا یہ مفہوم مخلوق کے سلسلے میں ہے۔ رہا اللہ تو اس کے مثل کوئی نہیں۔ حافظ ذہبیؒ کی اس کتاب میں امام اسحٰق بن راہویہ کی سوانح کے ضمن میں فقرہ نمبر ۲۱۱ پر تعلیق لگاتے ہوئے اس مسئلہ کی جانب ہم نے اشارہ کیا ہے لیکن شیخ الاسلام نے تو "منہاج السنۃ" کی جلد دوم صفحہ ۲۴۸ میں یہاں تک فرمایا ہے:

"جو نادان سوچتے ہیں کہ اللہ جب آسمانِ دنیا پر اترتا ہو گا جیسا کہ حدیث میں ہے تو اس وقت عرش اللہ کے اوپر اور اللہ عالم کے دو طبق کے درمیان محصور ہو جاتا ہو گا۔ اس طرح کا خیال اجماعِ سلف کے علاوہ قرآن و حدیث کے بھی خلاف ہے۔ جیسا کہ دوسری جگہ پر یہ بحث تفصیل سے آ چکی ہے۔"

ابوزہرہ کے سلسلے میں شیخ الاسلام کو نہ سمجھنے کی جو بات کہی ہے اس کی تائید اس تلخیص سے بھی ہوتی ہے جو موصوف نے اپنی کتاب "ابنِ تیمیہ" کے صفحہ ۲۷۶ میں ابنِ تیمیہؒ کے سلسلے میں کی ہے، یعنی:

"ابنِ تیمیہؒ کا خیال ہے کہ ید، نزول، قدم، وجہ اور استواء کے الفاظ اپنے ظاہر پر محمول کیے جائیں گے، لیکن ان معانی کے ساتھ جو اللہ کی ذات مقدس کے شایانِ شان ہوں، جیسا کہ گذشتہ صفحات میں ہم نے اس مفہوم کے اقتباسات کو نقل کیا ہے۔"

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس تلخیص پر موصوف نے اکتفا نہ کیا جو فی الواقع حق صریح ہے بلکہ جناب نے ابن تیمیہؒ کے اس نظریہ کی خواہ مخواہ تردید شروع کر دی ، فرماتے ہیں :

"ہم یہاں تھوڑی دیر ٹھہرتے ہیں ، یقیناً یہ تمام الفاظ فی الحقیقۃ انہیں معانی کے لیے وضع کیے گئے ہیں جو ہم جانتے اور محسوس کرتے ہیں اور ان محسوس معانی کے علاوہ کسی بھی دوسرے معنیٰ پر ان الفاظ کو محمول کرنا علی وجہ الحقیقۃ نہ ہو گا ، لہذا جب یہ الفاظ اپنے غیر حقیقی معانی پر محمول کیے گئے خواہ وُہ معانی معلوم ہوں یا مجہول ، بہر حال وُہ غیر حقیقی ہی ہوں گے ۔ ایسی صورت میں کبھی بھی نہیں کہا جائے گا کہ یہ الفاظ اپنے ظاہری معنیٰ پر محمول کیے گئے ہیں بلکہ یہی کہا جائے گا کہ ان الفاظ کی تاویل کی گئی ہے ۔ اس طرح سے ابن تیمیہؒ اگر ایک تاویل سے بچ نکلے تو دوسری تاویل میں جا پھنسے ، ایک مجازی تعبیر سے بچنے کی کوشش کی تو دوسری مجازی تعبیر اختیار کرنا پڑی ۔"

محترم ناظرین ! خدا کے واسطے سے آپ خود ہی فیصلہ کر لیں ۔ کیا ابوزہرہ جیسا کوئی عالم امام ابن تیمیہؒ کے سلسلے میں اس انداز کی بات کہہ سکتا ہے جس نے خود بارہا شیخ الاسلام کے اقوال نقل کیے ہوں اور اس کے مفاہیم سمجھتا بھی ہو ، مثلاً ابن تیمیہؒ کا کہنا ہے کہ نام میں اشتراک سے حقیقت میں اشتراک لازم نہیں آتا ، جیسا کہ ابن تیمیہؒ کے رسالہ " تدمریہ " کے صفحہ ۱۲ سے ابوزہرہ صاحب کی نقل کردہ مندرجہ ذیل عبارت سے پتہ چلتا ہے :

" جب بدیہی طور پر یہ معلوم ہے کہ وجود میں خود دو قسمیں ہیں ، ایک تو وُہ وجود جو قدیم واجب بنفسہٖ ہے ، دوسرا وُہ جو محدث اور ممکن ہے ، بالفاظِ دیگر جو وجود و عدم دونوں کو قبول کرتا ہے ، حالانکہ دونوں قسمیں وجود ہی کے قبیل سے ہیں مگر مسمیٰ وجود میں دونوں کے مشترک ہونے کی وجہ سے یہ نہیں لازم آتا ہے کہ دونوں کا وجود ایک ہی درجہ کا ہے ۔ بلکہ قدیم واجب بنفسہٖ کا وجود اُس کی ذات کے ساتھ مخصوص ہے اور ممکن الوجود کا وجود اس کے ساتھ خاص ہے ، دونوں یعنی قدیم الوجود اور ممکن الوجود کے عام وجود میں اشتراک کا ہرگز یہ مقتضیٰ نہیں کہ دونوں اس اسم کے مسمیٰ میں بھی اضافت ، تخصیص اور تقیید کے وقت بھی مشترک اور مساوی ہوں ۔ لہذا اگر کسی صاحب

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سے کہا جائے کہ عرش موجود چیز ہے اور مچھر موجود چیز ہے تو وُہ نہیں کہے گا کہ دونوں کا وجود ایک ہی طرح کا ہے، اس لیے کہ دونوں پر شے اور وجود کا اطلاق ہوتا ہے بلکہ جب کہا جائے گا کہ عرش موجود ہے اور مچھر بھی موجود ہے تو دونوں کا وجود اپنے اپنے ساتھ مخصوص ہو گا کوئی غیر ان کے وجود میں ان کا شریک نہ ہو گا، حالانکہ اسم وجود دونوں میں حقیقت ہی ہے۔"

اس عبارت پر شیخ ابوزہرہ صاحب توضیحی نوٹ لگانے کے بعد فرماتے ہیں: "اسی وجہ سے ابن تیمیہ اس مقام پر زور دیتے ہیں، "اللہ نے اپنا نام حی (زندہ) رکھا ہے، ارشادِ خداوندی ہے:

"اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ"

"یعنی اللہ کے علاوہ کوئی معبود نہیں، وُہ حیّ اور قیوم ہے۔"

اسی طرح اپنی بعض مخلوقات کا بھی "حی" نام رکھا ہے، مثلاً ارشاد ہے:

"يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَيُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ"

"یعنی اللہ مُردے سے زندہ کو اور زندہ سے مردہ کو نکالتا ہے۔"

حالانکہ یہ (مخلوق) حیّ، اس (اللہ) حیّ کی طرح نہیں۔ اس لیے کہ فرمانِ خداوندی (الحی القیوم) میں "الحی" اللہ کا اسم ہے جو اس کی ذات کے ساتھ مخصوص ہے ص البتہ جب تخصیص سے حیّ کو آزاد کر دیا جائے تو دونوں یعنی اللہ اور مخلوق حیّ کے اطلاق میں متفق ہوں گے ...."

ص اور "یخرج الحی" میں "الحی" مخلوق کا نام ہے جو مخلوق کے ساتھ مخصوص ہے۔

اب قارئینِ کرام سے سوال ہے کہ کیا ان عبارتوں میں تاویل کا کوئی شائبہ نظر آتا ہے؟ جیسا کہ ابوزہرہ صاحب کو ابنِ تیمیہؒ کی ان اسماء و صفات کی تفسیر میں محسوس ہوتا ہے، یا یہ کہ ابنِ تیمیہؒ کھلے طور پر فرماتے ہیں کہ یہ تمام کے تمام حقائق ہیں جو اپنی ذات کے ساتھ مناسب طور پر رہتے ہیں اور ذات کے اختلاف سے حقائق میں بھی اختلاف پیدا ہو جاتا ہے۔ بات صرف اتنی ہے۔ جو چیزیں ان میں محسوس ہیں، ان کی حقیقت و کیفیت ہم جان سکتے ہیں۔ برخلاف ان چیزوں کے جو ہماری محسوسات کے دائرہ سے خارج ہیں، مثلاً صفاتِ باری تعالیٰ، جنت و جہنم وغیرہ۔ ان چیزوں کی کیفیت و حقیقت ہماری دسترس سے باہر ہے۔ ابنِ تیمیہؒ نے مختلف مثالوں کے ذریعہ یہ پیچیدہ موضوع اچھی طرح واضح کر دیا ہے جس سے عدمِ واقفیتِ صفات کے باب میں سلف کے طریقِ کار سے لوگوں کے انحراف کا سب سے بڑا سبب تھا۔ مثلاً ہم لوگ کہتے ہیں، "اللہ موجود ہے" اور "مخلوق موجود ہے" حالانکہ دونوں کا وجود وُہ حقیقت ہیں جو اپنی اپنی ذات کے لیے مناسب ہیں۔ اسی طرح ہم کہتے ہیں "اللہ زندہ ہے"، اور "میں زندہ ہوں۔" حالانکہ دونوں کا زندہ ہونا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حقیقت ہی ہے جو اپنی اپنی ذات کے مناسب حال ہے۔ اسی طرح تمام اسماء و صفاتِ خداوندی میں یہی قاعدہ جاری کیا ہے، جس سے ہر عقلمند شیخ الاسلام کا کلام پوری طرح واضح اور کافی سمجھتا ہے۔

جب ابوزہرہ صاحب ابن تیمیہؒ کی بات نہ سمجھ سکے اور اس نافہمی کی بنیاد پر جناب نے شیخ الاسلام کی جانب غلط طور پر تاویل کو منسوب کر دیا، مگر پھر بھی اس سنگین غلطی کے بمقابل ہلکی ہے جو ابوزہرہ نے اپنے مذکورہ بالا کلام میں کی ہے، یعنی ابوزہرہ صاحب کا یہ خیال کہ "یقیناً یہ الفاظ فی الحقیقت انہی معانی کے لیے وضع کیے گئے ہیں جنہیں ہم محسوس کرتے ہیں، ان محسوس معانی کے علاوہ کسی بھی دوسرے معنی پر ان الفاظ کا محمول کرنا علی وجہ الحقیقۃ نہ ہوگا، اور جب یہ الفاظ اپنے غیر حقیقی معنی پر محمول کیے گئے خواہ وہ معانی معلوم ہوں یا مجہول، بہر حال وہ غیر حقیقی ہی ہوں گے۔..... الخ۔

اگر شیخ ابوزہرہ کا عقیدہ یہ ہے، جس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ مخلوق کا وجود، زندگی، علم اور استواء وغیرہ سب کے سب تو حقیقت ہیں مگر خالق تعالیٰ کا وجود، حیات، علم و استواء وغیرہ سب کے سب مجاز ہیں، حقیقت نہیں ہیں، جس کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اللہ موجود ہے نہ زندہ۔ اس کے پاس علم ہے اور نہ وہ عرش پر مستوی ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔ دراصل یہ سب وہ معروف اسالیب ہیں جن کا استعمال فلاسفہ اور ان سے متاثر معتزلہ اور علماء کلام کرتے ہیں۔ ہم کہتے ہیں کہ آخر ابوزہرہ صاحب کا یہی تو خیال ہے کہ "یہ تمام الفاظ انہی معانی کے لیے موضوع ہیں، جن کا ادراک ہماری حس کرتی ہے" اور اللہ کا وجود و حیات اور اس کی تمام صفات ہماری حس کے ادراک سے خارج ہیں۔ اس بناء پر تو شیخ ابوزہرہ کے قول کے بموجب خدا پر ان تمام صفات کا اطلاق مجاز ہوگا، کیا شیخ ابوزہرہ کو محسوس ہوا کہ ان کی بات نے انہیں کس ہلاکت میں پھنسایا، اگر اب بھی سمجھ میں بات نہ آئی ہو تو ہم عرض کرتے ہیں کہ جس وجود، حیات، علم اور استواء کا تعلق ہماری محسوسات سے ہے ان کے معنی تو ہمیں معلوم ہیں مگر جب ان چیزوں کی نسبت اللہ تعالیٰ کی جانب ـــــ جو ہمارے حواس کے دائرہ ادراک سے بالاتر ہے ـــــ کی جائے تو ان کے معنی کیا ہوں گے؟ اس کا جواب شیخ ابوزہرہ کے قول کے بموجب یہی ہوگا کہ تب ان کے کوئی معنی نہ ہوں گے، بلکہ یہ سب محض اللہ کے نام ہوں گے جیسا کہ معتزلہ کا خیال ہے اور جیسے خود ابوزہرہ صاحب نے معتزلہ سے نقل کیا ہے۔

"المذاہب الاسلامیہ" کے صفحہ ۲۰۲ میں ابوزہرہ صاحب رقمطراز ہیں:

"معتزلہ صفات کا انکار کرتے ہیں جیسا کہ ہم ذکر کر چکے ہیں اور اشعری حضرات

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

صفات کو ثابت مانتے ہیں، ان کا کہنا ہے کہ صفات، ذات سے جداگانہ چیزیں ہیں۔ یہ لوگ اللہ کے لیے قدرت، ارادہ، علم، زندگی، کان، آنکھ اور کلام ثابت مانتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ ساری صفات ذاتِ خداوندی کے علاوہ چیزیں ہیں مگر معتزلہ کہتے ہیں کہ اللہ صرف ذات ہے۔ ذات کے علاوہ کوئی چیز نہیں۔ رہا قرآن میں علیم وخبیر، حکیم وبصیر اور سمیع وغیرہ کا ذکر تو وہ سب صرف اللہ کے نام ہیں۔"

یعنی یہ تمام اسماء بے معنی ہیں محض مترادف اعلام کے مانند ہیں۔ اسی لیے اس پر علماءِ اسلام نے معتزلہ پر زبردست نکتہ چینی اور گرفت کی ہے اور انہیں معطلہ گردانا ہے جیسا کہ شیخ الاسلام رح کی تالیفات میں اس کی تفصیل ہے۔

اب ہمارا سوال ہے کہ کیا شیخ ابوزہرہ اپنے مندرجہ بالا قول کے بموجب نظریۂ تعطیل کے قائل ہیں جسے انہوں نے خود معتزلہ کے سلسلے میں بیان کیا ہے، مگر اس طرح تو موصوف خود ہی معتزلہ کی طرح، قرآن وحدیث سے ثابت صفاتِ خداوندی کے منکر ہو جائیں گے۔

یا یہ کہ شیخ موصوف اسے زبان کی لغزش پر محمول کر کے اپنے اس سنگین قول سے رجوع فرمائیں گے اور پھر شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ کی تشریح کردہ مسلک کی پیروی کریں گے (جس تشریح و بیان پر ان اعتقادی مسائل میں، جن کے ضمن میں استواء بھی داخل ہے —— استدراک اور اضافہ آسان نہیں) اور پھر ابوزہرہ صاحب استواء پر ذاتِ خداوندی کے شایانِ شان صفت ہونے کی حیثیت سے ایمان لائیں گے۔ جس طرح کہ یہ بہتر ہے کہ دیگر صفات مثلاً علم و کلام پر بھی اسی طرح ایمان لے آئیں اور مجاز پر ان صفات کو محمول کر کے نظریۂ تعطیل کا شکار نہ ہوں۔ میرا خیال تھا کہ شیخ ابوزہرہ کے مندرجہ بالا قول کو ان کی سبقت لسانی پر محمول کیا جائے مگر اچانک مجھے اپنا یہ خیال بدلنا پڑا، جب دیکھا کہ شیخ موصوف (استواء) کی تفسیر میں مجاز یعنی "سلطانِ کامل" اور (نزول) کی تفسیر میں مجاز یعنی نعم الٰہیہ کی طرف مائل ہیں۔ بغیر اس کے کہ شیخ اس طرح کی مجازی تشریح کے لازمی نتیجہ پر غور کرنے کی زحمت کرتے جس کا ڈانڈا معاذ اللہ کفر کی سرحدوں سے جا ملتا ہے اس لیے کہ آسمانِ دُنیا پر خدا کے نزول سے متعلق جو حدیث ہے اس میں یہ بھی ہے کہ:

یَقُوْلُ: هَلْ مِنْ دَاعٍ اَسْتَجِيْبُ لَهٗ الخ

پھر (اترنے والا) کہے گا کیا کوئی پکارنے والا ہے جس کی پکار میں سنوں۔۔۔۔ الخ۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اب اگر اللہ آسمانِ دنیا پر نہیں اترتا ہے بلکہ اس کی نعمتیں اترتی ہیں تو سوال یہ ہے کہ کیا وُہ نعمتیں ہی دُعائیں سنتی اور قبول کرتی، نیز مغفرت کرتی ہیں یا وُہ اللہ جس کا ان امور میں کوئی شریک نہیں ؟

شیخ ابوزہرہ ؒ نے شیخ الاسلام کے جو اقوال و اقتباسات نقل کیے ہیں ، اس سلسلے میں مختصر اعرض ہے کہ موصوف کا ارادہ یہی تھا کہ شیخ الاسلام ؒ کے معاملہ میں اپنے رفیقِ محترم جناب کوثری صاحب کے موقف سے متاثر ہوئے بغیر ایک پاکباز ادیب کی حیثیت سے رہیں مگر افسوس کہ رفاقت اور صحبت نے اپنا اثر دکھا ہی دیا جس کے نتیجہ میں ابوزہرہ صاحب نے شیخ الاسلام کے عقائد پر ہجوم شروع کر دیا۔ اگرچہ اپنے دوست کی طرح جو امام ابن تیمیہ ؒ کی جانب غلط باتوں کے انتساب میں کوئی باک نہیں محسوس کرتے ، صراحت کا انداز نہیں اختیار کیا ہے بلکہ یہ سارا کام اشارہ و کنایہ کی زبان میں کیا ہے۔ میں یہ تو نہیں کہہ سکتا کہ ابوزہرہ صاحب نے کوثری صاحب کی طرح عمداً یہ فریضہ انجام دیا ہے بلکہ شیخ الاسلام کی تحریروں میں ان کی غلط فہمیوں سے ایسا ہوا ہے۔ اس کی تائید خود ابوزہرہ صاحب کی اس تحریر سے ہوتی ہے جو انہوں نے شیخ الاسلام ابن تیمیہ ؒ کو تاویل کا شکار بتلانے کے بعد صفحہ ''۲'' میں لکھی ہے، فرماتے ہیں:

''پھر کیا انجام اور نتیجہ برآمد ہوتا ہے اسماء و صفات کی ظاہری تفسیر سے؟ کیا اس ظاہری تفسیر سے ان اسماء و صفات کی حقیقت معلوم ہو جاتی ہے یا اس سے صرف دوسری بھول بھلیوں میں پھنس جانا پڑتا ہے؟ ابن تیمیہ ؒ کا کہنا ہے کہ حقیقت غیر معروف ہے، اسی لیے کہتے ہیں کہ اللہ کے پاس چہرہ ہے مگر اس کی ماہیت غیر معروف ہے۔ اللہ مستوی ہے مگر اس کے استواء کی ماہیت معروف نہیں ... وغیرہ وغیرہ ...''

پھر ابوزہرہ صاحب رقمطراز ہیں:

''اب اگر ہم ان الفاظ اسماء و صفات کی وُہ تفسیر کریں جس سے ہم ان الفاظ کو مجہول چیزوں پر محمول کرنے سے بچ جائیں تو یہ تفسیر زیادہ قابلِ قبول ہے جبکہ لغت میں بھی اس تفسیر کی گنجائش ہے اور مجاز انکیں خوب واضح ہے مثلاً ید (ہاتھ) کی تفسیر قوت و طاقت اور عذاب، استواء کی تفسیر سلطانِ کامل اور نزولِ خداوندی کی تفسیر الٰہی نعمتوں کے فیض و بخشش سے، پھر اس تفسیر کے سلسلے میں یہ اعتراض بجا نہیں کہ اس میں تو ظاہری معنٰی ہیں ہی نہیں کیونکہ ابن تیمیہ ؒ وغیرہ نے جو معنٰی اختیار

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کیا ہے اس میں بھی ظاہر پر نہیں محمول کیا گیا ہے۔"

یہ ہیں ابوزہرہ صاحب کے فرمودات، اگر ہم ان تحریروں کے پسِ پشت پنہاں سنگین غلطیوں کی نشاندہی کرنا شروع کریں گے تو سلسلۂ کلام کافی طویل ہو جائے گا جس کا مقدمۂ کتاب متحمل نہیں لیکن شیخ ابوزہرہ صاحب سے ہم مختصراً عرض کریں گے کہ حضرت! کیا بطورِ نتیجہ اتنا کافی نہیں ہے کہ آپ استواء کو صفتِ نزول کے علاوہ اللہ کی ایک مستقل صفت سمجھیں، اسی طرح استواء اور نزول کو تسلطِ کامل اور انعام کی صفات سے جداگانہ تصور فرمائیں۔ جیسے کہ یہ کافی ہے کہ آپ میرے خیال سے عقیدہ رکھیں کہ سمع (سننا) کی صفت، بصر (دیکھنا) کی صفت سے مختلف ہے اور صفات سمع و بصر کی تعطیل کریں اور نہ تاویل کر کے ان کے وجود کا منکر بنیں، جس تاویل کا نتیجہ بالآخر یہی نکلتا ہے کہ سمع و بصر سے مراد علم ہے جیسا کہ بعض معتزلہ کا خیال ہے، اگرچہ اکثر معتزلہ تمام صفات کا انکار کرتے ہیں جیسا کہ گذشتہ صفحات میں ہم نے ذکر کیا ہے۔

یقیناً غرض و غایت اور انجام و نتیجہ کے لیے یہ کافی ہے ورنہ پھر سلف کے اتباع میں ان صفات کی ہماری ظاہری تفسیر (اس اعتقاد کے ساتھ کہ ان کی حقیقت کا علم صرف اللہ کو ہے) اور آپ کے استواء باری تعالیٰ کے انکار و بقیہ صفات مثلاً حیات قدرت، ارادہ اور حکمت وغیرہ کی ہماری تفسیر کہ یہ صفات باری اپنے ظاہری معنیٰ پر بغیر کسی تاویل کے محمول ہیں اور ان کی حقیقت صرف اللہ کو معلوم ہے) پر آپ کے ایمان (جیسا کہ ہمارا خیال ہے) کے درمیان کیا فرق ہے؟ مجھے یقین ہے کہ اہلِ علم کا دانشمند طبقہ ضرور تسلیم کرے گا کہ دونوں کے مابین ہرگز کوئی فرق نہیں۔ کیونکہ سبھی کا تعلق ذاتِ خداوندی کی صفات ہی سے ہے۔ تو جس طرح ہم ذاتِ الٰہی کی کنہ حقیقت جانے بغیر اس پر ایمان رکھتے ہیں۔ بعینہٖ یہی چیز اس ذات کی صفات کے سلسلے میں بھی ہونی چاہیے اور جب صورتِ معاملہ یوں ہے تو ابوزہرہ صاحب یا تو صفاتِ الٰہی —— جن میں استواء بھی داخل ہے، کے حقائق پر ایمان لائیں ورنہ پھر ان تمام صفات کی تاویل کریں۔ دوسری شکل میں وجودِ الٰہی کا انکار لازم آئے گا کیونکہ اللہ کے وجود (جو اللہ کی ایک صفت ہے) کی کنہ و حقیقت غیر معروف ہے۔ اور استواء کے مانند جس صفت کی بھی کنہ و حقیقت غیر معروف ہو گی تو شیخ ابوزہرہ لامحالہ اس کی تاویل کریں گے۔ یہی چیز ہے جس کا شکار باطنیہ اور بہت سے فلاسفہ ہو گئے، تقریباً یہی حال معتزلہ اور ان سے متاثر اہلِ کلام کا ہوا۔ جس کی تفصیل شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ کی متعدد کتابوں میں موجود ہے۔ فجزاہ اللہ۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مسئلۂ صفات میں خطیب بغدادیؒ کا نقطۂ نظر: یہاں اس سلسلے میں مناسب ہوگا کہ ہم بعض علمائِ سلف کے اقوال پر مشتمل ایک دلچسپ حصہ بعض مخطوط کتابوں سے نقل کردیں جو ہنوز میرے علم کے مطابق، زیورِ طبع سے آراستہ نہ ہوسکی ہیں۔ یہ اقوال دراصل مشہور مورخ و محدث خطیب بغدادیؒ (متوفی ۴۶۳ھ) کے ہیں — جن کا کچھ حصہ حافظ ذہبیؒ (متوفی ۷۴۸ھ) نے اپنی کتاب "العلو للعلی العظیم" میں خطیب کے سوانحِ حیات کے ضمن میں ذکر کیا ہے۔ تو میرا خیال ہے کہ خطیب کی وہ عبارتیں نقل کردوں تاکہ اہلِ کلام پر اتمامِ حجت ہوجائے جن کا ایک بہت بڑا طبقہ اس وہم میں مبتلا ہے کہ اللہ کے شایانِ شان صفات کے حقائق و معانی پر ایمان لانا صرف ابنِ تیمیہؒ اور ان کے متبعین کا مسلک ہے اور اس چیز سے بے خبر ہیں کہ شیخ الاسلام ابنِ تیمیہؒ (متوفی ۷۲۸ھ) اس سلسلے میں علمائِ سلف کے تابع ہیں۔ ہاں البتہ اس مسلک کے شرح و بیان اور اس پر عقلی و نقلی دلائل فراہم کرنے نیز اس سلسلے میں جو شبہات پیدا کیے گئے تھے ان کے ازالہ و استیصال میں شیخ الاسلام کو دیگر علمائِ سلف پر تفوق حاصل ہے ورنہ فی الواقع امام ابنِ تیمیہ سلفی العقیدہ ہیں۔ اور سچ تو یہ ہے کہ ہر مسلمان کو منہجِ سلف ہی اپنانا چاہیے۔ اسی مقصد کے تحت ہم حافظ ذہبی کی یہ کتاب "العلو للعلی العظیم" شائع کررہے ہیں تاکہ سلفی عقائد سے متعلق بہت سے امور جو ہنوز پردۂ خفا میں تھے، طشت از بام ہوکر عامۃ الناس کے سامنے آجائیں جن امور کا مخفی رہنا دراصل سلفی عقیدہ و طریقۂ محمدی سے لوگوں کے انحراف و ابتعاد کے بنیادی اسباب میں سے ہے۔

مشہور محدث خطیب بغدادیؒ رقمطراز ہیں:

"رہی صفات کی بحث، تو احادیث صحیحہ میں جو کچھ مروی ہے، سلف کا مسلک یہ ہے کہ انہیں ثابت مانا جائے اور ان نصوص کو ان کے ظاہر پر محمول کیا جائے۔ ساتھ ہی ان صفات کی تشبیہ اور کیفیت بیانی سے احتراز کیا جائے۔ بعض فرقوں نے ایک طرف صفات کی نفی کرکے اللہ کی ثابت کردہ صفات کا ابطال کردیا تو دوسری طرف صفات کو ثابت کرنے والوں میں کچھ لوگوں نے ان صفات کی حقیقت و کیفیت اس طرح بتلائی کہ تشبیہ و تکییف میں مبتلا ہوگئے، حالانکہ راہِ اعتدال یہ ہے کہ افراط و تفریط کے مابین کا راستہ اپنایا جائے۔"

"زیرِ بحث مسئلہ میں بنیادی چیز یہ ہے کہ صفات کے سلسلے میں بحث 'کلام فی الذات' کی فرع ہے۔ ذاتِ خداوندی کے سلسلے میں جو بات ہم کہتے ہیں وہی بات صفاتِ الٰہی کے بارے میں کہی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جاتے گی۔ اور جب معلوم ہے کہ رب العالمین کی ذات کے اثبات سے اس کے وجود کا اثبات مقصود ہوتا ہے نہ کہ اس کی کیفیت کا اثبات، اسی طرح صفاتِ الٰہی کے اثبات سے مقصود ان کے وجود کا اثبات ہوگا نہ کہ ان کی کیفیات و حدود کا اثبات۔"

"تو جب ہم اللہ کے لیے ہاتھ، کان اور آنکھ ہونے کی بات کہتے ہیں تو ان سب سے وہ صفات مراد ہوتی ہیں جنھیں اللہ نے خود اپنے لیے ثابت گردانا ہے، نہ یہ کہتے ہیں کہ اللہ کے ہاتھ سے مراد اس کی قدرت ہے اور نہ یہ کہتے ہیں کہ سمع و بصر سے مراد علم ہے (یعنی تاویل نہیں کرتے) اور نہ ہی انہیں اعضاء و جوارح مانتے ہیں (یعنی اللہ کے لیے جسم نہیں مانتے) اور نہ ہی ایسے ہاتھ و کان و آنکھ کی طرح مانتے ہیں جو کہ جوارح اور ادواتِ فعل ہیں (یعنی تشبیہ نہیں کرتے) بلکہ ہمارا نقطۂ نظر یہ ہے کہ ان صفات کا اثبات واجب ہے اس لیے کہ قرآن و حدیث میں یہ صفات وارد ہیں۔ اسی طرح فرمانِ خداوندی (لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ وَهُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ) "یعنی اللہ کے مانند کوئی چیز نہیں اور وہ سننے دیکھنے والا ہے۔" اور (وَلَمْ يَكُن لَّهُ كُفُوًا أَحَدٌ) یعنی "کوئی اللہ کے برابر نہیں۔" کے بموجب تشبیہ کی نفی بھی ضروری ہے۔"

"مگر جب اربابِ بدعت، صفات کے متعلق احادیث کی روایت کرنے پر محدثین کی عیب جوئی پر تل گئے اور کم علم لوگوں کو اپنے دامِ تلبیس میں لے لیا کہ یہ محدثین ایسی حدیثیں روایت کرتے ہیں جو توحید کے منافی اور دین کے خلاف ہیں، اسی طرح یہ بہتان بھی تراشا گیا کہ اہلحدیث لوگ مشبہ کو کافر اور معطلہ کو جاہل و احمق کہتے ہیں، تو جواباً عرض کیا گیا کہ قرآن میں محکم آیتیں ہیں جن کا مقصود و مطلوب اسی وقت سمجھ میں آئے گا جبکہ انہیں ان کے ظاہر پر محمول کیا جاتے۔ رہیں متشابہ آیات تو ان کا مفہوم و معنی بھی اسی وقت سمجھ میں آسکتا ہے جبکہ انہیں محکم آیات کی جانب لوٹایا جائے اور تمام قرآنی آیات پر ایمان لانا نیز ان کی تصدیق کرنا واجب ہے یہی طریق کار احادیثِ رسول ﷺ میں بھی اختیار کیا جاتے گا یعنی متشابہ احادیث کو محکم احادیث کی طرف لوٹا کر سبھی کو قبول کیا جائے گا۔"

"صفات کے سلسلے میں مروی احادیث کی تین قسمیں ہیں:

۱۔ ثابت احادیث جن کی صحت پر ان کی کثرت اور راویوں کی عدالت کے پیشِ نظر محدثین کا اتفاق ہے اس لیے ان احادیث کا قبول کرنا نیز ان پر ایمان لانا واجب ہے۔ اس طرح سے قلب و ضمیر ایسے عقائد سے محفوظ ہو جو مخلوق سے اللہ کی تشبیہ یا جوارح و ادواتِ فعل نیز تغیر و حرکات

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سے اللہ تعالیٰ کی توصیف [illegible] ہیں۔

۲۔ ساقط و ناقابلِ اعتبار احادیث جن کی سند بالکل کمزور ہے نیز ان کے الفاظِ متن بھی شناعت سے خالی نہیں ہیں اور علماء حدیث ان روایتوں کے بطلان پر متفق ہیں ایسی روایتوں سے اشتغال اور ان پر اعتماد کرنا جائز نہیں۔

۳۔ ایسی روایتیں جن کے راویوں سے متعلق محدثین میں اختلاف ہے یعنی بعض محدثین کی نظر میں مقبول ہیں بعض کے یہاں مردود۔ ایسی حدیثوں میں اجتہاد اور غور و فکر واجب ہے تاکہ ان مختلف فیہ روایتوں کو مقبول احادیث کے ضمن میں شمار کر لیا جائے یا پھر باطل و مردود روایتوں کے ٹوکرے میں ڈال دیا جائے۔" (کلامِ خطیب ختم شد)

(باقی آئندہ)

اسرار احمد سہاوری

حمدِ باری تعالیٰ

شعر و ادب

ترے جلووں کی اصلا کیف سامانی نہیں جاتی
دلِ پرشوق کی بیتاب حیرانی نہیں جاتی!

نگاہوں میں سماتے بھی نہیں لیکن یہ عالم ہے
نگاہِ ناز کی دل پر نگہبانی نہیں جاتی!

تجلی حسن کی نیرنگیاں کیا کیا دکھاتی ہیں
ہجومِ شوق کی دل پر ستم رانی نہیں جاتی!

نگاہیں فرشِ رہ رکھتا ہے ہر دم شوق بیجا کے
دلِ ناداں کی ہرگز کفر سامانی نہیں جاتی

مچلتا ہے الجھنے کے لیے بیباکِ الفت میں
تیرے صدقے میں اس کی پاک دامانی نہیں جاتی

گریباں چاک کر لیتا ہوں شوقِ دید میں لیکن
"وہ پہچانی ہوئی صورت بھی پہچانی نہیں جاتی"

جلا کر خاک کر ڈالے حجاباتِ نظر اس نے
دلِ آتش بجاں کی شعلہ سامانی نہیں جاتی

نمودِ حسن ہی بے تاب رہتی ہے مچلنے کو،
کمالِ پردہ داری میں بھی عریانی نہیں جاتی

الجھ کر رہ گئیں اسرار نظریں ان کے جلووں میں
کسی ناصح کی ہم سے بات اب مانی نہیں جاتی!

© rasailojaraid.com